

# اسلامی دستور کی بنیادیں

## اندر سے قرآن و سنت

اس وقت جبکہ ملک کے دستور کی ترتیب آخری مراحل میں ہے، اہل علم کا فرض ہے کہ دستوری اسمبلی کو ایک صحیح اسلامی دستور مرتب کرنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیں۔ جماعت اسلامی اس سلسلہ میں اپنی حد استطاعت تک جو کچھ خدمت انجام دے سکتی تھی دیتی رہی ہے۔ ۱۹۵۱ء کے آغاز میں تمام مسلم فرقوں کے نمائندہ علمائے بھی اسلامی ریاست کے ۲۲ بنیادی اصول بالاتفاق مرتب کر کے ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ مگر کچھ لوگ برابر اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ ایک طرف مسلم عوام اور تعلیم یافتہ لوگوں کو اور دوسری طرف دستور ساز اسمبلی کے ارکان کو زیادہ سے زیادہ غلط فہمیوں میں مبتلا کریں۔ چنانچہ ان کی طرف سے بار بار یہ خیال مختلف الفاظ میں دہرایا جا رہا ہے کہ قرآن میں دستور کے لیے کوئی رہنمائی نہیں کی گئی ہے، اور اسلام کسی خاص طرز کی حکومت کا تقاضا نہیں کرتا، اور اسلامی دستور سرے سے کسی چیز کا نام ہی نہیں ہے۔ ان گمراہ کن باتوں کے پیچھے دلائل کچھ بھی نہیں ہیں، مگر زوالِ علم کے اس دور میں ذہنی پراگندگی پیدا کرنے کے لیے یہ شور و شغب اچھا خاصا موثر ہو سکتا ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ایک مختصر مضمون میں کتاب و سنت کی ان تمام تصریحات کو جمع کر دیا جائے جو دستوری احکام پر مشتمل ہیں، تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ آج تک علماء جن اصولوں کو اسلام کے دستوری اصولوں کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں ان کے اصل ماخذ کیا ہیں، اور اس کے ساتھ دستور ساز اسمبلی کے ارکان بھی خدا کی حجت تمام ہو جائے اور وہ یہ غدر کبھی پیش نہ کر سکیں کہ ہمیں خدا اور رسول کے احکام بتائے نہیں گئے تھے۔

یہ مضمون اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لکھا جا رہا ہے۔ اس میں ہم نمبر وار ایک ایک دستوری

میسے کے متعلق آیاتِ قرآنی اور احادیثِ صحیحہ درج کریں گے اور پھر ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے جائیں گے کہ ان کی اصلاح کام نکلتے ہیں۔

(۱)

إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ الْأَعْلَىٰ وَاللَّهُ لَا يَتَّعَبُ وَلَا يَأْتِيَاكَ ذَاكَ الدِّينَ الْقَبِيحَ ۚ رِيسُوف ۵

حکم نہیں ہے مگر صرف اللہ کے لیے، اس کا فرمان ہے کہ تم نہ بندگی کرو مگر صرف اس کی، یہی صحیح دین ہے۔

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ فیصلہ کرنے کا اختیار اور فرمان دہنی کا حق (با نفاذ دیگر حاکمیت) اللہ

تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ یہاں کوئی لفظ یا قرنیہ ایسا موجود نہیں ہے جس کی بنا پر اس حاکمیت کو محض "کائناتی حاکمیت" اور **Universal Sovereignty** کے مفہوم میں متعین کر دیا جائے۔ اللہ کی یہ حاکمیت

جس طرح کائناتی ہے اسی طرح سیاسی و قانونی بھی ہے اور اخلاقی و اعتقادی بھی۔ اور خود قرآن مجید میں ان تمام

اقسام کی حاکمیتوں کے اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہونے کی واضح دلیلیں موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن تصریح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف رب الناس اور الٰہ الناس ہی نہیں ہے بلکہ ملک الناس بھی ہے۔

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ

کہو اے محمد کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب الٰہ الناس۔

انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی

وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ملک کا مالک ہے اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے :-

قُلْ اَللّٰهُمَّ مَا لَكَ الْمُلْكُ تَوْتِي

کہو، خدا یا، ملک کے مالک، تو جیسے چاہے مالک

دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

(آل عمران ۳)

لَمْ يَكُنْ لَكَ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ رَبِّيْ اِسْرَائِيل ۱۴

بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

پھر وہ صاف صاف کہتا ہے کہ امر کا حق صرف اللہ کو ہے اس لیے کہ پیدا کرنے والا وہی ہے۔

اَلَا اِنَّهُ الْخَلْقُ وَالْاٰخِرُ (الاعراف - ۷)

خبردار! خلق اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا۔

ظاہر ہے کہ یہ محض کائناتی حاکمیت نہیں بلکہ صحیحاً سیاسی حاکمیت ہے اور اسی بنا پر قرآن قانونی

حاکمیت کو بھی اللہ کے لیے مخصوص کرتا ہے۔

اَتَّبِعُوا مَا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ (اعراف-۱)

پیردی کرو اس چیز کی جو تمہارے رب کی طرف سے  
تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور نہ پیردی کرو اسے  
چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کی۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَاولئك هم الكافرون - (البقرہ-۱۷)

اور جو لوگ فیصلہ نہ کریں اُس قانون کے مطابق جو  
اللہ نے نازل کیا ہے وہی کافر ہیں۔

اللہ کی سیاسی اور قانونی حاکمیت کا یہ تصور اسلام کے اولین نبی و امیروں میں سے ہے اور  
شروع سے آج تک تمام قبلے اسلام اس پر متفق ہیں کہ حکم دینے کا حق اللہ کے لیے خاص ہے۔  
چنانچہ علامہ آمدی اصول فقہ کی مشہور کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھتے ہیں:

اعلم انہ لا حاکم سوی اللہ ولا حکم  
الاما حکم بہ -

جان لو کہ حاکم اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور  
حکم بس وہ ہے جو اللہ نے دیا ہے۔

اور شیخ محمد حنفی اپنی اصول الفقہ میں اس کو جمیع اہل اسلام کا منفقہ عقیدہ قرار دیتے ہیں:

ان الحكم هو خطاب الله، فلا  
حکم الا لله وهذه قضیة اتفق علیها  
المسلمون قاطبة -

دقیقت حکم اللہ کے فرمان کو کہتے ہیں پس حکم  
دینے کا حق اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اور یہ  
ایک ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہیں۔

پس کوئی اسلامی دستور اس کے بغیر نہیں بن سکتا کہ اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی سیاسی اور  
قانونی حاکمیت کا اقرار کیا جائے اور بالفاظ صریح یہ لکھا جائے کہ یہ ریاست اللہ کی مطیع ہے،  
اس کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرتی ہے اور اس کے احکام کو واجب العمل مانتی ہے۔

(۲)

انبیاء علیہم السلام بالعموم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص اللہ تعالیٰ کی اس سیاسی و قانونی  
حاکمیت کے مظہر ہیں یعنی اللہ کی اس حاکمیت کا نفاذ انسانوں میں جس واسطے سے ہو سکتا ہے وہ

واسطہ اللہ کے بغیر ہیں۔ اس لیے ان کے حکم کی اطاعت اور ان کے طریقے کی پیروی اور ان کے فیصلوں کو بے چون و چرا ماننا ہر اس فرد اور گروہ اور قوم کے لیے لازم ہے جو اللہ کی اس حاکمیت کو تسلیم کرے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں بار بار پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:-

جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی سے جیسا ہے کہ اللہ کے اذن کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۱۱)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطِيعَ

بِإِذْنِ اللَّهِ - (النساء: ۹)

اے محمد، ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس روشنی میں حکم کرو جو اللہ نے تمہیں دکھائی ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ

لِتُحْكَمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَادَ اللَّهُ (النساء: ۱۶)

اور جو کچھ رسول تم کو دینے سے لے لو اور جس سے تم کو روک دین اس سے رک جاؤ۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا

نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۱)

میں نہیں دیتے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ بنے گا جب تک کہ وہ اپنے اختلاف میں ٹھہر کر فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تو فیصلہ دے اس پر اپنے نفس میں شکی تک نہ محسوس کریں اور سر تسلیم کر لیں

فَلَا وَرَيْتِكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحْكَمَ بَيْنَكَ

فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ

حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَسَيَلِمُوا تَسْلِيمًا -

(النساء: ۹)

یہ ایک اسلامی ریاست کے دستور کی دوسری بنیاد ہے۔ اس میں اللہ کی حاکمیت کے

اقرار کے بعد دوسرا اقرار یہ ہونا چاہیے کہ اس ریاست میں کتاب اللہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ کو بھی ماخذ قانون کی حیثیت حاصل ہوگی اور اس کی انتظامیہ، منقنہ اور عدلیہ میں سے کسی کو بھی سنت کے خلاف احکام دینے، قانون بنانے اور فیصلے کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَ

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ  
 كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ -  
 ایمان لائے میں اور نیک عمل کیا ہے کہ وہ نذرانِ کج  
 زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے  
 پہلے لوگوں (مومنین صالحین) کو خلیفہ بنایا تھا۔  
 (النور - ۷۷)

یہ آیت دو اہم دستوری نکات کی تصریح کرتی ہے۔ اول یہ کہ ایک اسلامی ریاست کا صحیح  
 مقام "خلافت" ہے نہ کہ "حاکمیت"۔ دوم یہ کہ ایک اسلامی ریاست میں خلافت کا حامل کوئی ایک  
 شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ پوری امت مسلمہ اس کی حامل ہوتی ہے جسے اللہ نے آزاد  
 ریاست عطا کی ہو۔

پہلے نکتے کی تشریح یہ ہے کہ حاکمیت اپنی عین حقیقت ہی کے اعتبار سے اس امر کی متقاضی  
 ہے کہ صاحب حاکمیت کی اپنی ذات سے خارج کوئی ایسی طاقت نہ ہو جو اس کے اختیارات کو  
 محدود کرتی ہو اور اس کو خود اس کے اپنے بنائے ہوئے قوانین و ضوابط کے سوا کچھ اوپر سے مستط  
 کیے ہوئے قوانین و ضوابط کا پابند بناتی ہو۔ اب اگر ایک ریاست پہلے ہی قدم پر یہ مان لے کہ خدا  
 اور رسول کا حکم اس کے لیے بالاتر قانون کی حیثیت رکھتا ہے جس کے خلاف نہ اس کی منتظم کام  
 کر سکتی ہے، نہ اس کی مقننہ کوئی قانون بنا سکتی ہے، اور نہ اس کی عدلیہ کوئی فیصلہ کر سکتی ہے، تو  
 اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ خدا اور رسول کے مقابلے میں حاکمیت کے دعوے سے دست بڑا  
 ہو گئی ہے اور اس نے حکمرانی میں دراصل خدا اور رسول کے ایجنٹ (خلیفہ) کی حیثیت اختیار کر لی  
 ہے۔ اس صورت میں اس کے لیے صحیح اصطلاح "حاکمیت" نہیں بلکہ "خلافت" ہی ہو سکتی ہے، ورنہ  
 اس حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے لیے حاکمیت کا لفظ استعمال کرنا محض ایک تناقض فی  
 الاصطلاح ہوگا۔ البتہ اگر وہ اپنی خود مختاری کو خدا کے حکم اور رسول کی سنت کے اتباع سے مقید  
 نہ کرے تو بلاشبہ اس کی صحیح پوزیشن "حاکمیت" ہی کی ہوگی، مگر اس صورت میں اس کے لیے اسلامی  
 ریاست کی اصطلاح استعمال کرنا تناقض فی الاصطلاح ہوگا۔

دوسرے نکتے کی تشریح یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں اس کے تمام مسلم باشندوں کا

بحیثیت مجموعی حاملِ خلافت ہونا وہ اہم اصولی حقیقت ہے جس پر اسلام میں جمہوریت کی بنا رکھی گئی ہے۔ جس طرح غیر اسلامی جمہوریت کی بنیاد اجتماعی حاکمیت ( **Popular Sovereignty** ) کے اصول پر قائم ہوتی ہے، عینک اسی طرح اسلامی جمہوریت کی بنیاد اجتماعی خلافت ( **Popular Vicegerency** ) کے اصول پر قائم ہوتی ہے۔ اس نظام میں حاکمیت کے بجائے خلافت کی اصطلاح تو اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ یہاں اقتدار خدا کا عطیہ ہے اور اس عطیے کو خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر ہی استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن خلافت کا یہ محدود اقتدار، قرآن کی مذکورہ بالا تصریح کی رو سے کسی ایک شخص یا طبقے کو نہیں بلکہ ریاست کے تمام مسلمانوں کو من حیث الجماعت سونپا گیا ہے جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ حکومت مسلمانوں کی مرضی سے بنے، ان کے مشورے سے کام کرے، اور اسی وقت تک حکمراں رہتے جب تک مسلمان اس سے راضی رہیں۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکر نے "علینہ اللہ کہلانہ" سے انکار کیا تھا۔ کیونکہ خلافت دراصل امت مسلمہ کو سونپی گئی تھی نہ کہ براہ راست ان کو۔ ان کی خلافت کی اصل حیثیت یہ تھی کہ مسلمانوں نے اپنی مرضی سے اپنے اختیاراتِ خلافت ان کے سپرد کیے تھے۔ ان دونوں نکات کو ملحوظ رکھ کر اسلامی ریاست کا دستور ایسا بنایا جانا چاہیے جو حاکمیت کے دعوے سے خالی ہو اور جس میں صریح طور پر ریاست کی حیثیتِ خلافت نمایاں نظر آتی ہو۔

(۴)

اجتماعی خلافت کے مذکورہ بالا تقاضے کو قرآن ان الفاظ میں واضح طور پر بیان کرتا ہے :-  
 وَأَخْرَجَهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ ۴۱) اور ان کا کام آپس کے مشورے سے ہونا ہے۔  
 اس آیت میں اسلامی نظامِ زندگی کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ اس میں تمام اجتماعی امور مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ یہ صرف بیانِ خصوصیت ہی نہیں ہے بلکہ اپنے فقرے کلام کے لحاظ سے حکم بھی ہے اور اس بنا پر کسی اجتماعی کام کو مشورے کے بغیر انجام دینا ممنوع ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے حضرت علیؑ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

قلت يا رسول الله الا من ينزل بنا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے بعد کوئی معاملہ

بعدك لم ينزل فيه قرآن ولم يسمع منك  
فيه شيء قال اجمعوا العامد من امتي و  
اجعلوه بينكم شورى ولا تقضوا برأي  
واحد (روح المعاني)

ایسا پیش آجائے جس کے متعلق قرآن میں کچھ اترا  
ہو اور نہ آپ سے کوئی بات سنی گئی ہو، فرمایا میری  
امت میں سے عبادت گزار لوگوں کو جمع کرو اور  
اسنے آپس کے مشورے کے لیے رکھ دو اور کسی ایک  
شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

پھر اس شوریٰ کی اصل روح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:-

من اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشاد  
فی غیرہ فقد خانہ - (ابوداؤد)

جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسی بات کا مشورہ دیا  
جس کے متعلق وہ خود جانتا ہو کہ صحیح بات دوسری  
ہے، تو اس نے دراصل اس کے ساتھ خیانت کی۔

یہ حکم نہایت وسیع الفاظ میں ہے اور اس میں شوریٰ کی کوئی خاص شکل معین نہیں کی گئی ہے۔ اس کی  
وجہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام ساری دنیا کے لیے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ اگر شوریٰ کا کوئی خاص  
طریقہ مقرر کر دیا جاتا تو وہ عالمگیر اور ابدی نہ ہو سکتا۔ شوریٰ براہ راست تمام لوگوں سے ہو یا لوگوں کے  
نمائندوں سے، نمائندے عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوں یا خواص کے ووٹوں سے، انتخاب مملکت کی  
ہو یا صرف صدر مقام میں، انتخاب الیکشن کی صورت میں ہو یا ویسے لوگ بے جانی جن کی نمائندہ  
حیثیت معلوم و معروف ہو، مجلس شوریٰ ایک ایرانی ہو یا دو ایرانی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا ایک  
جواب ہر سوسائٹی اور ہر تمدن کے لیے یکساں موزوں نہیں ہو سکتا۔ ان کے جواب کی مختلف صورتیں  
مختلف حالات کے لیے موزوں ہو سکتی ہیں اور حالات کی تبدیلی نئی نئی صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔  
اس لیے شریعت نے ان امور کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔ نہ کسی خاص شکل کا تعین کیا ہے اور نہ کسی خاص شکل کو  
ممنوع ہی قرار دیا ہے۔ البتہ اصولاً اوپر کی آیت اور اس کی توضیح کرنے والی احادیث میں نین باتیں لازم  
کردی گئی ہیں:

۱، مسلمانوں کا کوئی اجتماعی کام مشورے کے بغیر انجام نہ پانا چاہیے۔ یہ چیز ملکیت کی بڑکائی

ہے۔ اس لیے کہ حکومت کے معاملات میں سب سے اہم معاملہ تو خود رئیس حکومت کا تقرر ہے۔ اگر دوسرے معاملات میں مشورہ لازم ہے تو رئیس حکومت کا زبردستی مسلط ہو جانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ چیز ڈکٹیٹر شپ کو بھی ممنوع ٹھہراتی ہے۔ کیونکہ ڈکٹیٹر شپ کے معنی استبداد کے ہیں، اور استبداد شوریٰ کی ضد ہے۔ اسی طرح دستور کو عارضی طور پر معطل کرنے کے اختیارات بھی اس حکم کی موجودگی میں رئیس مملکت کو نہیں دیئے جاسکتے، کیونکہ تعطل کے دور میں الاموال وہ استبداد سے کام کرے گا اور استبداد ممنوع ہے۔

(۲) معاملہ جن لوگوں کے اجتماعی کام سے متعلق ہر ان سب کو مشورے میں شریک ہونا چاہیے، خواہ وہ براہ راست شریک ہوں یا اپنے معتمد علیہ نمائندوں کے واسطے سے شریک ہوں۔

(۳) مشورہ آزادانہ اور بے لاگ اور مخلصانہ ہونا چاہیے۔ دباؤ اور لالچ کے تحت ووٹ یا مشورہ

بنا دیا اصل مشورہ نہیں کاہم معنی ہے۔

پس دستور کی تفصیلات خواہ کچھ ہوں، اس میں شریعت کے یتیموں اصول بہر حال ملحوظ رہنے چاہئیں

اس میں ایسی کوئی گنجائش نہ رکھی جانی چاہیے کہ کسی وقت بھی عوام سے یا ان کے معتمد علیہ نمائندوں سے

مشورہ ایسے بغیر حکومت کی جانے لگے۔ اس میں انتخابات کا ایسا نظام تجویز کیا جانا چاہیے جس سے

پوری قوم شریک مشورہ ہو سکے۔ اور اس میں ان اسباب کا سدباب ہونا چاہیے جن کے زیر اثر عوام سے

یا ان کے نمائندوں سے خوف یا لالچ یا فریب کے تحت رائے دینا ممکن ہو۔

(۵)

رئیس حکومت، وزراء، اہل شوریٰ، اور حکام کے انتخاب میں کیا امور ملحوظ رہنے چاہئیں، اس باب

میں قرآن اور سنت کی ہدایات یہ ہیں :-

اللہ ہیں حکم دیتے ہے کہ امانتیں یعنی اعتماد کی ذمہ داریاں

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ

اہل امانت یعنی امین لوگوں کے سپرد کرو۔

إِلَىٰ أَهْلِهَا ۗ (النساء - ۸)

دقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز

رَأَتْ أَلْسِنَتَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَتَفَقَّهُ



## الحجرات - ۲

وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

تجياراً لمنكُم الذين يُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكَمْ  
وَتَصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَشَرَّارُ  
الْمُنْكَرِ الَّذِينَ تَبْغَضُونَهُمْ وَيُبْغَضُونَكُمْ وَ  
تَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ (رواہ مسلم)

تمہارے بہترین سرور وہ ہیں جن سے تم محبت کرو  
اور وہ تم سے محبت کریں اور جن کو تم دعا دو اور وہ  
تبعیوں دعاویں۔ اور تمہارے بدترین سرور وہ ہیں جن  
سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں اور جن  
پر تم لعنت پھیرو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

انا والله لا نولى على عملنا هذا احداً  
سأله او حرص عليه (مستفق عليه)

خدا کی قسم ہم اپنی اس حکومت کے کسی کام پر کسی ایسے  
شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اس کی درخواست کرے یا  
اس کا حرص ہو۔

ان اخونكم عندنا من طلبه (ابو داؤد)  
جو اس کا خود طالب ہو۔

حدیث سے گزر کر یہ بات تاریخ کے صفحات پر بھی ثبت ہو چکی ہے کہ اسلام میں عہدوں کی  
طلب سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ چنانچہ طلق شندی اپنی کتاب صبح الاعشی میں بیان کرتا ہے:-

وقد اُثر عن ابی بکر انه قال سألت  
رسول الله صلى الله عليه وسلم عن هذا  
الامر فقال لي يا ابا بکر هو لمن يرغب عنه  
لا لمن يجاحش عليه ولمن يتضاؤل عنه  
لا لمن يتنفع اليه - هو لمن يقال هو لك  
لا لمن يقول هو لي (صبح الاعشى بملفوظ شندی -

حضرت ابو بکر سے مآثر ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امارت کے بارے  
میں دریافت کیا تو حضور نے جواب دیا اے ابو بکر  
وہ اس کے لیے ہے جو اس سے بے رغبت ہو نہ کہ  
اس کے لیے جو اس پر ٹوٹا پڑتا ہو۔ وہ اس کے لیے  
ہے جو اس سے بچنے کی کوشش کرے نہ کہ اس کے لیے  
جو اس پر بھٹے۔ وہ اس کے لیے ہے جس سے کہا جائے  
کہ یہ تیرا حق ہے نہ کہ اس کے لیے جو خود کہے کہ یہ

میرا حق ہے۔

یہ ہدایات اگرچہ محض اصولی ہدایات ہیں۔ ان میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ مطلقاً یہ صفات، بکے سرداروں اور نمائندوں کو منتخب کرنے، اور ناپسندیدہ لوگوں کو روکنے کے لیے مشینری کیا ہو، لیکن بہر حال یہ وقت کے دستور سازوں کا کام ہے کہ ان ہدایات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مناسب عملی تدابیر تجویز کریں۔ انہیں انتخاب کا ایسا نظام سوچنا چاہیے جس میں اہل اہمیت اور عوام کے محبوب اور خیر خواہ لوگ منتخب ہو سکیں اور وہ لوگ نہ اُجھڑنے پائیں جو عوام کے ووٹ لیکر بھی ان کے منہوں میں جن پر ہر طرف لعنت کی بوچھاڑ ہوتی ہے، جن کو حق میں لوگ بدعائیں کہتے ہیں اور جنہیں عہدے پیش نہیں کیے جاتے بلکہ وہ خود عہدوں پر چھپتے ہیں۔

(۶)

آلِ رِجَالٍ تَوَاقَمُونَ عَلَى النِّسَاءِ (النساء-۲) مرد عورتوں پر قوام ہیں۔

لَنْ يَفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَهْرَأَهُمْ امْرَأَةٌ (بخاری) وہ قوم کبھی نفلح نہیں پاسکتی جو اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کرے۔

یہ دونوں نصوص اس باب میں قاطع ہیں کہ مملکت میں ذمہ داری کے مناسب و خواہ و صدارت ہو، یا وزارت، یا مجلس شوریٰ کی رکنیت، یا مختلف محکموں کی ادارت، عورتوں کے سپرد نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے کسی اسلامی ریاست کے دستور میں عورتوں کو یہ پوزیشن دینا، یا اس کے لیے گنجائشیں رکھنا نصوص صریحہ کے خلاف ہے اور اطاعت خدا اور رسول کی پابندی قبول کرنے والی ریاست اس خلاف ورزی کی سرے سے مجاز ہی نہیں ہے۔

لے یہ اثر اگرچہ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہیں ان الفاظ میں نہیں ملا ہے۔ بلکہ یہ ایک مؤرخ کا بیان ہے لیکن ہم نے اس بنا پر اسے نقل کر دیا ہے کہ حدیث کی دو مستند روایتیں اسی معنی میں اور نقل کی جا چکی ہیں۔ اس طرح کی کمزور روایتیں معنی کے اعتبار سے قوی ہو جاتی ہیں جبکہ ان کی تائید میں صحیح روایات موجود ہوں۔

۷۔ اس مسئلے کی تشریح ہم ایک مستقل مضمون میں کر چکے ہیں جو ستمبر ۱۹۷۸ء کے ترجمان القرآن میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے یہاں ہم نے اس کے پرے سے دلائل جمع نہیں کیے ہیں بلکہ صرف حکم بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

(۷)

الَّذِينَ إِذْ مَكَتَتْهُمْ فِي الْأَرْضِ  
 أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَنُوا  
 بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ راجح ۶۔

جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم  
 کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور  
 بدی سے روکیں گے۔

اس آیت میں اسلامی حکومت کے مقصد و جوہر اور اس کے بنیادی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔  
 کافر حکومتوں کی طرح اس کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ ملک کے اندرونی امن اور خارجی مصلحتوں  
 کی حفاظت کرے، اور ملک کی مادی خوشحالی کے لیے ساعی ہو، بلکہ ایک اسلامی حکومت ہونے  
 کی حیثیت سے اس کا اولین فریضہ یہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرے، اور ان بھلائیوں  
 کو فروغ دے جنہیں خدا اور رسول بھلائی قرار دیتے ہیں، اور ان برائیوں کو روکے جنہیں خدا اور  
 رسول برائی کہتے ہیں۔ کوئی ایسی حکومت اسلامی حکومت کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی جو اس  
 بات سے بے پروا ہو کہ نماز قائم ہو رہی ہے یا نہیں، زکوٰۃ دی جا رہی ہے یا نہیں، بھلائیاں  
 پھیل رہی ہیں یا مٹ رہی ہیں، اور برائیاں دب رہی ہیں یا ابھر رہی ہیں۔ اسلامی حکومت کا  
 نام ایسی حکومت کو زیب نہیں دیتا جس کے حدود میں زنا، اور شراب، اور قمار بازی، اور فحش  
 ٹریچر، اور فحش تماشوں، اور فحش گالوں، اور مخلوط تعلیم، اور تبریح جاہلیت، اور اختلاط مرد و زن  
 کا عام رواج ہو اور ان صریح منکرات پر کوئی قدغن نہ ہو۔ پس ایک اسلامی دستور میں لانا  
 ریاست کو ان فرائض کا پابند ہونا چاہیے جنہیں قرآن اس کے بنیادی فرائض میں شمار کرتا ہے۔

(۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ  
 أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن  
 تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ  
 الرَّسُولِ إِن كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
 آتِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ  
 کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو  
 تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر کسی معاملے میں  
 تمہارے درمیان نزاع ہو تو اس کو اللہ اور رسول

الْاٰخِرَ، ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ نَاوِيْلًا -  
 (انسار - ۸)

کی طرف پھرو اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے  
 دن پر یہ بہتر ہے اور بجا نجام بھی اچھا ہے۔

اس آیت میں تین نہایت اہم بنیادی نکات بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ہر ایک کا گہرا  
 تعلق دستوری مسائل سے ہے :-

پہلا نکتہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت وہ اصل اطاعت ہے جس کا ہر مسلمان فرد  
 کو بحیثیت فرد اور مسلمان قوم کو بحیثیت قوم پابند ہونا چاہیے۔ یہ اطاعت ہر دوسری اطاعت  
 پر مقدم ہے۔ اولی الامر کی اطاعت اس کے بعد ہے نہ کہ اس سے پہلے، اور اس کے تحت  
 ہے نہ کہ اس سے آزاد۔ اس نکتے کی مزید وضاحت حسب ذیل آیات اور احادیث میں ہم کو ملتی ہے

مَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِ وَلَا الْمُؤْمِنَاتِ اِذَا  
 قَضَىٰ اللّٰهُ وَاٰمْرًا اَنْ يَكُوْنَ  
 لَهُمُ الْخَيْرَةُ مِنْ اٰمْرِهُمْ وَمَنْ يَعْصِ  
 اللّٰهَ وَاٰمْرًا فَقَدْ ضَلَّ سُلٰكًا  
 مُّبِيْنًا - (الغزاب - ۵)

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ  
 جب کسی معاملے کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کرے  
 تو پھر ان کے لیے خود اپنے اس معاملے میں فیصلہ  
 کرنے کا اختیار باقی رہ جائے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس  
 رسول کی نافرمانی کرے وہ گمراہی میں بہت ڈوب کر گیا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجِدْكُمْ يَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ  
 فَاُوْتِيْكَ هُمْ اَلْكَافِرُوْنَ . . . . . فَاُوْتِيْكَ  
 هُمْ الظّٰلِمُوْنَ . . . . . فَاُوْتِيْكَ  
 هُمْ الْعٰسِفُوْنَ (المائدہ - ۶)

اور جو فیصلہ نہ کریں اس قانون کے مطابق جو اللہ  
 نے نازل کیا ہے وہی کافر ہیں . . . . .  
 وہی ظالم ہیں . . . . . وہی  
 فاسق ہیں۔

السمع والطاعة على المرء المسلم  
 في ما احب وكره ما لم يضر بمعيبة  
 فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة  
 (بخاری و مسلم)

ایک مسلمان پر سمع و طاعت لازم ہے خواہ برضا  
 رغبت کرے یا بکراہت تا دقتیکہ اسے معصیت  
 کا حکم نہ دیا جائے۔ پھر جب اس کو معصیت کا حکم  
 دیا جائے تو نہ سمع ہے نہ طاعت۔

ان امر علیکم عبد مجید یقودکم  
بکتاب اللہ فاسمعوا واطیعوا (مسلم)

اگر تم پر کوئی نیکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو  
کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو  
اس کی سنو اور اطاعت کرو۔

لا طاعة فی معصیة انما الطاعة  
فی المعروف (بخاری و مسلم)

معصیت میں کوئی اطاعت نہیں ہے۔ اطاعت  
تو صرف معروف میں ہے۔

لا طاعة لمن عصى الله (طبرانی)

کوئی اطاعت اس شخص کے لیے نہیں ہے جو اللہ کا  
نافرمان ہو۔

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق  
شرح الشفاء

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں  
کی جاسکتی۔

کتاب و سنت کے یہ تمام حکمت اس باب میں ناطق ہیں کہ ایک اسلامی ریاست میں  
مجلس قانون ساز کوئی ایسا قانون بنانے کا حق نہیں رکھتی جو اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف  
ہو، اور اگر وہ ایسا کوئی قانون بنا دے تو وہ رد کر دیئے جانے کے لائق ہے نہ کہ نافذ ہونے  
کے لائق۔ اسی طرح یہ آیات اور احادیث اس باب میں بھی ناطق ہیں کہ ایک اسلامی ریاست  
کی عدالتوں میں اللہ اور رسول کا قانون لازماً نافذ ہونا چاہیے اور جو بات کتاب و سنت کی  
دلیل سے حق ثابت کر دی جائے اسے کوئی حج اس بنا پر رد نہیں کر سکتا کہ لیسلیچر کا بنایا ہوا  
قانون اس کے خلاف ہے۔ تصادم کی صورت میں اللہ اور رسول کا قانون نہیں بلکہ لیسلیچر کا  
قانون حدود و دستور سے خارج قرار پانا چاہیے۔ اسی طرح یہ آیات اور احادیث اس باب  
میں بھی ناطق ہیں کہ اسلامی ریاست کی انتظامیہ کو ایسا کوئی حکم دینے یا ضابطہ بنانے کا حق  
نہیں ہے جس سے خدا اور رسول کی معصیت لازم آتی ہو۔ اگر وہ ایسا کوئی حکم دے اور لوگ  
اس کی اطاعت نہ کریں تو وہ مجرم نہیں ہونگے، بلکہ اس کے برعکس، خود حکومت زیادتی کی  
مرکب ہوگی۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں اولی الامر مسلمان ہی ہو سکتے ہیں۔ اس کی دو دلیلیں تو خود اس آیت ہی میں موجود ہیں۔ اول یہ کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُفُّوا عَن ذُنُوبِكُمْ** فرمانے کا کوئی مطلب اس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ جن اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہ مسلمانوں ہی میں سے ہونے چاہئیں۔ دوم یہ کہ نزاع کی صورت میں تنازع فیہ معاملے کو اللہ اور رسول کی طرف پھرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ رعایا اور حکومت کی نزاع میں اللہ اور رسول کو حکم صرف مسلمان اولی الامر ہی مان سکتے ہیں نہ کہ کافر اولی الامر۔ مزید برآں مستند احادیث کی تصریحات بھی اسی کی تائید بلکہ تاکید کرتی ہیں۔ چنانچہ اسی اوپر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات نقل ہو چکے ہیں کہ اگر ایک کٹھا غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری نیادت کرے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو۔ اور یہ کہ کوئی اطاعت اس شخص کے لیے نہیں ہے جو اللہ کا نافرمان ہو۔ ایک اور حدیث میں حضرت عباد بن صامت روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات پر سعیت لی تھی کہ :-

ان لا تغازموا اهلنا الا ان  
تروا كفراً بواحاً عندكم من الله  
فيه برهان (بخاری و مسلم)

ہم اپنے حکمرانوں سے جھگڑا نہ کریں گے الا یہ کہ ہم  
ان کے کاموں میں کھلا کھلا کفر دیکھیں جو ہمارے پاس  
ان کے خلاف اللہ کی طرف سے دلیل ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے حاکموں کے خلاف بغاوت کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا :-

لا ما اقاموا خيبتكم الصلوة (مسلم)

تہیں، جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے ہیں۔

ان تصریحات کے بعد اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے صاحب امر بننے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ایک اشتراکی ریاست میں منکرین اشتراکیت، اور ایک جمہوری ریاست میں مخالفین جمہوریت کے لیے اولی الامر بننے کا نہ عقلاً کوئی موقع ہے نہ عملاً۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے مسلمان اپنے اولی الامر سے نزاع کا حق رکھتے ہیں اور نزاع کی صورت میں فیصلہ جس چیز پر چھوڑا جائے گا وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہوگی۔ یہ آخری سند جس کے حق میں بھی فیصلہ دے اسے ماننا پڑے گا خواہ فیصلہ اولی الامر کے حق میں ہو یا رعایا کے حق میں۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ اس حکم کا تقاضا پورا کرنے کے لیے کوئی ادارہ ایسا ہونا چاہیے جس کے پاس نزاع لے جانی جائے اور جس کا کام یہ ہو کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے مطابق اس نزاع کا فیصلہ کرے۔ یہ ادارہ خواہ کوئی مجلس علماء ہو یا سپریم کورٹ یا کوئی اور، اس کے تعین کی کسی خاص شکل پر شریعت نے ہمیں مجبور نہیں کر دیا ہے۔ مگر بہر حال ایسا کوئی ادارہ مملکت میں ہونا چاہیے، اور اس کو یہ حیثیت حاصل ہونی چاہیے کہ تنظیہ اور مقننہ اور عدلیہ کے احکام اور فیصلوں کے خلاف اس کے پاس مداخلت کیا جاسکے۔ اور اس کا بنیادی اصول یہ ہونا چاہیے کہ کتاب و سنت کی ہدایات کے مطابق وہ حق اور باطل کا فیصلہ

(۹)

اِنَّ اللّٰهَ يَآمُرُكُمْ اَنْ تُوَدّعُوا الِامَانَاتِ	اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اپنی امانت کے
اِلَىٰ اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ	سپرد کر دو اور حبيب لوگوں کے درمیان حکم دیا فیصلہ
اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ - (النساء - ۸)	کر دو تو عدل کے ساتھ کرو۔
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا	اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم
تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا هُوَ اقْرَبُ لِلتَّقْوٰى -	عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ سے قریب تر
(المائدہ ۲۰) ہے۔	

یہ آیات اگرچہ وسیع ترین مفہوم میں مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر عدل کا پابند بناتی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ ان کے اس تقاضے سے اسلامی ریاست آزاد نہیں ہو سکتی۔ لامحالہ اس کو بھی عدل ہی کا پابند ہونا چاہیے، بلکہ اسے تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے، کیونکہ حکم بین الناس کا سب سے زیادہ طاقتور ادارہ وہی ہے اور اگر اس کے حکم میں عدل نہ ہو تو پھر معاشرے میں

اور کہیں عدل نہیں ہو سکتا۔

اب دیکھیے کہ جہاں تک ریاست کا تعلق ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت سے حکم بین الناس میں عدل برتنے کا کیا طریقہ ثابت ہوتا ہے۔

(۱) حجۃ الوداع کے مشہور خطبے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے جن بنیادی اصولوں

کا اعلان فرمایا تھا ان میں ایک اہم اصول یہ بھی تھا:

فان دماءکم و اموالکم و اعراضکم یقیناً تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں

حرام و حکومتیو مکروہذا ویسی ہی محترم ہیں جیسے آج کل کا یہ دن محترم ہے۔

اس اعلان میں منکات اسلامیہ کے تمام شہریوں کو جان، مال اور آبرو کی حرمت کا بنیادی حق

عطا کیا گیا ہے جس کا پورا حال ہر اس ریاست کو التزام کرنا ہو گا جو اسلامی ریاست کے نام موسوم ہوئے۔

(۲) یہ حرمت کس حال میں کس طرح ٹوٹ سکتی ہے؟ اس کا تعین نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ

میں فرماتے ہیں:

فاذا فعلوا ذلک عمداً منی دماؤہم پھر جب لوگ یہ کام یعنی شہادت توحید و رسالت اور

اقامت مسلولہ وایتلئے زکوٰۃ کر دیں تو وہ اپنی جاتیں

مجھ سے بچائیں گے، آلا یہ کہ اسلام کے کسی حق کی بنا پر وہ

مجرم ہوں، امدان کی نعمتوں کا حساب لینا اللہ کے فتنے ہے۔

پس ان کی جان و مال ہم پر حرام ہیں آلا یہ کہ جان و مال ہی کا

کئی حق ان پر قائم ہو۔ امدان کے باطن کا حساب

اللہ کے ذمے ہے۔

الا یحیی الاسلام و حسابہم علی اللہ

فقد حرمت علینا دماؤہم و اموالہم الا یحییہا و حسابہم علی اللہ

فقد حرمت علینا دماؤہم و اموالہم الا یحییہا و حسابہم علی اللہ

فقد حرمت علینا دماؤہم و اموالہم الا یحییہا و حسابہم علی اللہ

فقد حرمت علینا دماؤہم و اموالہم الا یحییہا و حسابہم علی اللہ

فقد حرمت علینا دماؤہم و اموالہم الا یحییہا و حسابہم علی اللہ

فقد حرمت علینا دماؤہم و اموالہم الا یحییہا و حسابہم علی اللہ

لہ اگرچہ اس حدیث میں صرف مسلمانوں کے بنیادی حقوق کا ذکر ہے، لیکن اسلامی شریعت کا یہ مسلم

اصول ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کی حفاظت میں رہنا قبول کریں ان کو دیوانی اور فوجداری قانون کی

نگاہ میں وہی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔



فمن قالها فقد عصم مني ماله و  
نفسه الا بجهه وحسابه على الله -  
پھر جو اس کا یعنی کلمہ توحید کا، قائل ہو جائے اس نے  
مجھ سے اپنا مال اور اپنا نفس بچایا آلا یہ کہ اللہ کا  
کوئی حق اس پر قائم ہو، اور اس کے باطن کا حساب  
اللہ کے ہوتے ہے۔ (بخاری)

یہ احادیث اس باب میں ناطق ہیں کہ اسلامی ریاست میں کسی شہری کی آزادی نفس اور حرمت  
جان و مال و آبرو پر کوئی دست درازی نہیں کی جاسکتی جیت تک کہ اسلامی قانون کی رو سے اس  
پر دیا اس کے خلاف، کوئی حق ثابت نہ کر دیا جائے۔

(۳) کسی پر دیا کسی کے خلاف، حق کا اثبات کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس کو نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم لیں بیان فرماتے ہیں:

اذا جلس اليك الخصمان فلا  
تقض بينهما حتى تسمع من الاخر  
جب بیچنے دو فرقی اپنا معاملہ لے کر بیٹھیں تو ان  
کا فیصلہ نہ کر جیت تک کہ دوسرے کی بات بھی نہ  
سنا لے جس طرح پہلے کی سنی ہے۔

اور حضرت عمر ایک مقدمے کے فیصلے میں تصریح کرتے ہیں:-

لا يرسل رجل في الاسلام بغير  
العدل (مؤطا) جاسکتا۔  
اسلام میں کوئی شخص عدل کے بغیر قید نہیں کیا  
جاسکتا۔

اس مقدمے کی جو تفصیل مؤطا میں دی گئی ہے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عراق کے  
تو مفتوح علاقے میں لوگ جھوٹی چلیاں کھا کھا کر دوسروں کو پکڑوا رہے تھے۔ اس کی شکایت جب  
حضرت عمرؓ کے پاس لائی گئی تو آپ نے اس کے فیصلے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس سے صاف  
ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں عدل سے مراد معروف عدالتی کارروائی (due process of law)

ہے یعنی ایک آدمی کا جرم کھلی عدالت میں ثابت کیا جائے اور اسے صفائی کا پورا  
موقعہ دیا جائے۔ اس کے بغیر اسلام میں کوئی شخص قید نہیں کیا جاسکتا۔

۴) حضرت علیؑ کے زمانے میں جب خوارج کا ظہور ہوا، جو سر سے ریاست ہی کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے، تو آپ نے انہیں لکھا کہ:-

کو فوا حیث شدتم و بیننا و بینکم  
الا تسفکوا دما و لا تقطعوا سبیلوا  
لا تظلموا احداً فان فعلتہم بذات  
الیکم الحرب (نیل الاوطار)

تم جہاں چاہو رہو۔ ہمارے اور تمہارے درمیان شرط  
یہ ہے کہ تم خون نہ بہاؤ اور بد امنی نہ پھیلاؤ اور کسی پر  
ظلم نہ کرو۔ اگر ان کاموں میں سے کوئی کام تم نے  
کیا تو میں تمہارے خلاف جنگ کرونگا۔

یعنی خیالات تم جو چاہو رکھو، تمہارے خیال اور نیت پر گرفت نہ کی جائے گی۔ البتہ اگر  
تم اپنے خیالات کے مطابق حکومت الٹ دینے کی کوشش کرو گے تو یقیناً تمہارے خلاف  
کارروائی کی جائے گی۔

ان نصریات کے بعد اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ اسلامی تصور عدل کسی حال میں  
بھی انتظامیہ کو یہ اختیارات دینے کا روادار نہیں ہے کہ وہ معروف عدالتی کارروائی کے بغیر وہی  
جس کو چاہیں پکڑیں، جیسے چاہیں قید کر دیں، جیسے چاہیں خارج البلد کریں، جس کی چاہیں زبان بندی  
کر دیں اور جیسے چاہیں اظہار رائے کے وسائل سے محروم کر دیں۔ اس طرح کے اختیارات جو ریاست  
اپنی انتظامیہ کو دیتی ہو وہ اسلامی ریاست ہرگز نہیں ہو سکتی۔

پھر حکم بین الناس میں عدل برتنے کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہم کو اسلام کی مستند روایات  
سے معلوم ہوتا ہے، امد وہ یہ ہے کہ اسلام میں صدر ریاست اور گزروں امداعلیٰ حکام اور  
عامتہ الناس، سب کے لیے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت ہے۔ کسی کے لیے  
کوئی قانونی امتیاز نہیں ہے، کسی کے لیے خاص عدالتیں نہیں ہیں، اور کوئی قانون کی پکڑ سے مستثنیٰ  
نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں خود اپنے آپ کو پیش کیا کہ جس کو میرے خلاف  
کوئی دعویٰ ہو وہ لائے اور اپنا حق وصول کر لے۔ حضرت عمرؓ نے ایک والی ریاست، جبیلہ بن ایہم  
غسانی سے ایک بدوی کو قصاص دلویا۔ حضرت عمرو بن العاص نے گزروں کے لیے قانونی تحفظ

کا مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے ماننے سے صاف انکار کر دیا اور عام لوگوں کو یہ حق دیا کہ جس حاکم کے خلاف انہیں شکایت ہو اسے کھلی عدالت میں لائیں۔

(۱۰)

ان کے مالوں میں حق تھا مدد مانگنے والے کے لیے اور رزق سے محروم رہ جانے والے کے لیے۔

ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے ان کو ربری صفات سے پاک کرو اور ان کو راجھی صفت میں، بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔

اللہ نے مسلمانوں پر ایک صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے حاجتمندوں پر لوٹا دیا جائے گا۔

حکومت اس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔

جو شخص مر جائے اور اس کے فتنے قرض ہو اور وہ اسے ادا کرنے کے قابل مال نہ چھوڑے تو اس کا ادا کرنا میرے فتنے ہے اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔

ایک دوسری رعایت میں ہے جو شخص قرض چھوڑے یا ایسے سپانندگان چھوڑے جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو وہ میرے پاس آئیں میں ان کو سرپرستوں ایک اور رعایت میں ہے جو مال چھوڑے تو وہ

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلذَّكَوٰتِ وَالْمَحْرُوْمِ

(الذاریت - ۲۱)

تُخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ تُطَهِّرُهُمْ

وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ -

(التوبہ - ۱۳)

ان الله قد فرض عليهم صدقة

تؤخذ من اعيانهم فتزكوا بها

فقراءهم (بخاری و مسلم)

السلطان ولي من لا ولي له (البراءة)

ترمذی - سند احمد - ابن ماجہ - دارمی

من مات وعليه دين ولم

يترك وفاءً فعليّ قضاءً ومن

ترك مالا فلو سرتهم -

وفي رواية من ترك ديناً

او ضياعاً فليأتني فانما بولاه

وفي رعاية من ترك مالا

فلو ارثتہ ومن تراث کلا قابلتا۔ اس کے وارثوں کا حق ہے اور جو ذمہ داریوں کا بار بھونچتا ہے

تو وہ ہمارے (یعنی حکومت کے) ذمے ہے۔ (بخاری و مسلم)

انا وارث من لا وارث لہ اعقل جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا میں وارث ہوں۔ اس

عنه وارثتہ (ابوداؤد) کی طرف سے ویت اور ذنگا اور اس کی میراث ذنگا۔

یہ آیات اور احادیث نصیح کرتی ہیں کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ایک اہم فرض زکوٰۃ کی تنظیم ہے اور اس کی ذمہ دارییں ہیں ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے حدود کے اندر تمام ان لوگوں کی کفیل بنے جو حدود کے محتاج ہوں اور وسائل رزق سے محروم رہ گئے ہوں۔

یہ ہیں وہ بڑے بڑے دستور کے احکام جو ہم کو کتاب و سنت میں ملتے ہیں۔ اگرچہ دستور کے مسائل سے متعلق قرآن اور

حدیث میں اور بھی بہت سی ہدایا موجود ہیں، مگر چونکہ ان کا تعلق دستور کے کم اور دستور کی فون سے زیادہ ہے ایسے ہم ان کو یہاں بیان نہیں کیا ہے

اب ہر شخص جو دستور کے متعلق کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو، ہماری پیش کردہ ان آیات اور احادیث کو دیکھ کر خود مانے

قائم کرے کہ آیا ان میں ایک اسلامی ریاست کی اصولی بنیادیں صاف صاف بیان کر دی گئی ہیں یا نہیں! اگر کوئی صاحب کلمے

دعویٰ کے بجائے علمی استدلال سے ثابت کر دے کہ ان احکام کا دستور سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور ہمیں بتائیں کہ دستور کے وہ

کون سے بنیادی مسائل و تفصیلات نہیں بند بنیادی مسائل، ہیں جن میں کتاب و سنت سے کوئی رہنمائی نہیں ملتی تو ہم ضرور ان کے شکر گزار

ہونگے لیکن اگر یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسائل جن پر ہم نے اوپر بحث کی ہے دستور کے مسائل نہیں ہیں، اور نہ ہی کہا جاسکتا

سکتا ہے کہ ان مسائل پر قرآن و حدیث کی بنیادیں تعلیمات سے کوئی روشنی نہیں پڑتی، تو اس کے بعد غیر متناقض شرفاء کے لیے

دوبی باتیں کھئے و جاتے ہیں۔ یا تو وہ سیدھی طرح ان احکام کو تسلیم کریں اور ملک کے دستور میں ان کو ثابت کر کے باقی تفصیلات جس

طرح مناسب سمجھیں مرتب کرتے ہیں۔ یا پھر صاف صاف کہہ دیں کہ ہم نہ قرآن کو ماننے ہیں نہ سنت کو، ہمارا ایمان اُس

ڈیوٹی پر ہے جس کا اسوہ حسنہ ہم کو امریکہ اور انگلستان اور ہندوستان کے دستور سلطنت میں ملتا ہے۔ ان دو دستوروں

میں سے جو راستہ بھی وہ اختیار کریں گے، بہر حال وہ درستی انسانوں کے شایان شان سمجھا۔ رہا یہ طریقہ کہ سامنے آفتاب

نصف النہار پر چمک رہا ہو اور آرمی کے بلٹے کہ روشنی کہیں موجود نہیں ہے تو اس سے لوگ فریب کھائیں یا نہ

کھائیں کہنے والا اپنی عزت ضرور کھو دیتا ہے۔